مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ——— ھُوَالنَّاصِرُ

مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت ☆

(رقم فرمودہ مؤرخہ ۸ دسمبر ۱۹۲۷ء)

قریباً ساڑھے تین ماہ ہوئے کہ مَیں نے موجودہ حالات کے متعلق آخری پوسٹر شائع کیا تھا اور جو اثر ان پوسٹروں کا ہوا تھا وہ چاہتا تھا کہ یہ سلسلہ جاری رہتا لیکن مَیں نے مناسب سمجھا کہ جو تحریک پہلے ہو چکی ہے اسے مسلمان جذب کر لیں تو پھر اور اگلا پوسٹر شائع کیا جائے۔ گو مَیں یہ نہیں خیال کرتا کہ وہ تحریکیں جو پچھلے موسم گرما میں کی گئی تھیں وہ مسلمانوں میں پوری طرح جذب ہو گئی ہیں۔ لیکن اس وقت پھر ایک اہم موقع پیش آیا ہے جس کے سبب سے مَیں خاموش رہنا پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات کو مسلمانوں کے سامنے پیش کر دوں۔ شاید کہ کوئی دردمند دل ان خیالات سے متاثر ہو اور شاید کہ مَیں مسلمانوں کی کوئی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا مستحق ٹھہروں۔

یہ اہم موقع کیا ہے۔ یہ سائمن کمیشن ہے جو شروع سال ۱۹۲۸ء میں ہندوستان میں آنے والا

☆ چونکہ مضمون لمبا ہو گیا ہے اور پوسٹر کی صورت میں شائع نہیں ہو سکتا اس لئے ٹریکٹ کی صورت میں شائع کیا جاتا ہے۔ احباب کو چاہئے کہ مساجد اور انجمنوں کے ذریعہ سے اسے پڑھوا کر جملہ مسلمانوں کو اس کے مضمون سے آگاہ کریں اور عام طور پر دستی تقسیم نہ کریں کیونکہ دس پندرہ ہزار ٹریکٹ اس طرح کا تقسیم کردہ بہت ہی تھوڑے لوگوں تک محدود رہے گا۔ ایسی کوشش ہونی چاہئے کہ پوسٹروں سے بھی زیادہ لوگ اس ذریعہ سے واقف ہو جائیں۔

ہے۔ تعلیم یافتہ اصحاب تو اس کمیشن سے بخوبی واقف ہیں لیکن چونکہ میرا یہ مضمون ان جگہوں پر بھی انشاء اللہ پہنچے گا جہاں اخبارات نہیں پہنچتے اور ان لوگوں تک بھی پہنچے گا جو عام طور پر دنیا کی خبروں سے بے خبر ہوتے ہیں اس لئے میں اختصاراً یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ۱۹۱۷ء میں انگریزی حکومت کے وہ وزیر جو ہندوستان کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں ہندوستان میں اس لئے آئے تھے کہ وائسرائے صاحب بہادر سے مل کر اس امر پر غور کریں کہ ہندوستانیوں کو ان کے ملک میں کہاں تک اختیارات حکومت دیئے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے ایک رپورٹ تیار کی جو کئی مرحلوں کے بعد پارلیمنٹ سے ایک قانون کی صورت میں پاس ہو کر ہندوستان میں نافذ کی گئی۔ اس قانون کا ماحصل یہ تھا کہ ہندوستانی بھی اَور اقوام عالم کی طرح اس امر کے حقدار ہیں کہ ان کے ملک میں انہیں حکومت کا اختیار ہو لیکن چونکہ وہ مختلف اقوام اور مذاہب میں منقسم ہیں اور تعلیم میں بہت پیچھے ہیں اس لئے فوراً انہیں پورے اختیارات نہیں دیئے جاسکتے۔ پس اس امر کو تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک نہ ایک دن ہندوستان کو حکومت خوداختیاری دی جائے گی لیکن سردست اس کا اجراء نہیں کیا جاسکتا۔ سردست صرف یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کچھ اختیار انہیں دیئے جائیں اور ان کے برتنے کے لئے دو کونسلیں ہندوستان کی مرکزی حکومت کے ساتھ مل کر کام کریں اور ہر صوبہ کے گورنر کے ساتھ بھی ایک ایک کونسل ہو جس کے ممبروں میں سے دو یا دو سے زیادہ وزیر بنائے جائیں جن کے سپرد بعض صیغے حکومت کے کر دیئے جائیں تاکہ اس طریق سے ہندوستانی کام کرنا سیکھ جائیں۔ بعض صیغے تو ان کونسلوں کے قریباً اختیار میں دے دیئے گئے اور بعض صیغوں پر اعتراض کرنے کا اور ان کے کام پر بحث کرنے کا انہیں حق دیا گیا۔ اسی وقت یہ خطرناک غلطی مسلم لیگ اور کانگریس کے ایک سمجھوتے کی بناء پر کی گئی کہ بنگال اور پنجاب جہاں مسلمانوں کی آبادی دوسری قوموں کی نسبت زیادہ ہے وہاں کے لئے ایسے قانون بنائے گئے کہ عملاً کثرت ہندوؤں کی یا ہندوؤں اور سکھوں کی ہو گئی۔ صوبۂ سرحد کو فوجی ضروریات کا خیال کر کے ان حقوق سے محروم رکھا گیا اور اس میں بھی مسلمانوں کو نقصان رہا۔ اس وقت یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ ہر دس سال کے عرصہ میں ایک کمیشن اس غرض سے ہندوستان بھیجا جایا کرے کہ وہ غور کر کے رپورٹ کرے کہ کیا ہندوستان اب مزید حقوق کے حاصل کرنے کے قابل ہو گیا ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ جو حقوق اسے پہلے دیئے جاچکے ہیں وہ ان کو بھی صحیح طور پر استعمال کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا وہ اس سے چھین لئے جائیں یا نہیں۔ سائمن کمیشن اسی فیصلہ کی بناء پر بھیجا گیا ہے اور اس کا نام سائمن کمیشن اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس

کے پریذیڈنٹ سر سائمن ہیں جو انگلستان کے ایک نہایت زیرک اور ہوشیار بیرسٹر ہیں۔ یہ کمیشن دو سال تک رپورٹ کرے گا کہ آئندہ ہندوستان سے کیا معاملہ کیا جائے۔ ہندوستان میں آکر مختلف لوگوں سے ان کے خیالات دریافت کرے گا۔ گورنمنٹ کے بڑے حکام سے مشورہ کرے گا اور پھر جو اس کے ذہن میں آئے گا پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرے گا۔

مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ پچھلے چار سال میں ہوتا چلا آیا ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ ایک نہایت نازک موقع ہے۔ مسلمانوں کو یہ تجربہ اچھی طرح ہو چکا ہے کہ ہندو لوگوں میں بوجہ ایک لمبے عرصہ تک حکومت سے محروم رہنے کے وسعت حوصلہ بالکل نہیں رہی۔ ان کی تعداد ملک میں تین چوتھائی ہے یعنی ایک مسلمان کے مقابل پر تین ہندو ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ اگر ہندوستان کو حکومت خود اختیاری ملے تو خواہ وہ مسلمانوں سے کتنی بھی رعایت کریں پھر بھی حکومت انہی کے ہاتھ میں رہے گی اور زیادہ فائدہ انہی کو پہنچے گا۔ لیکن چونکہ ان میں وسعت حوصلہ نہیں ہے وہ اس قدر بھی مسلمانوں کو دینے کے روادار نہیں ہیں جس قدر کہ مسلمانوں کو بعض صوبوں میں ان کی تعداد کے رو سے ملنا چاہئے۔ یا جس قدر کہ بعض دوسرے صوبوں میں ان کی جائز نیابت کے لئے انہیں دیا جانا چاہئے۔ پس ایک طرف تو مسلمانوں کو ان کی جائز نیابت سے محروم کرنے کے لئے ہندو لیڈروں نے یہ شور مچانا شروع کیا کہ کونسلوں کے ممبروں کے انتخاب کا موجودہ طریق بدل دینا چاہئے یعنی یہ نہ ہو کہ مسلمان ممبر کو مسلمان منتخب کریں اور ہندو ممبر کو ہندو بلکہ ہندو اور مسلمان مل کر ممبروں کو منتخب کیا کریں۔ بظاہر تو یہ بات نہایت معقول ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ملک سے ناواجب تعصب دور ہو جائے اور مختلف قومیں تعلیمی اور اقتصادی لحاظ سے قریباً ایک سی ہو جائیں تو ایسا ہی ہونا چاہئے لیکن اس وقت جس قدر بُغض دلوں میں بھرا ہوا ہے اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ چونکہ ہندوؤں میں تعلیم اور دولت زیادہ ہے اور مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں اور عام طور پر ہندوؤں کے مقروض ہیں اور بدقسمتی سے مسلمانوں میں تفرقہ بھی زیادہ ہے انتخاب کے وقت ہندو لوگ لائق مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسے نالائق مسلمانوں کو کھڑا کر دیا کریں گے جو کونسلوں میں جا کر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں اور ہندو لوگ اپنے قرض داروں کو مجبور کر کے اپنے مطلب کے مسلمان امیدواروں کے حق میں رائے دلوائیں گے جیسا کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں کے انتخاب کے وقت ہوا کرتا ہے اور اس طرح گو نام کے مسلمان تو منتخب ہو جائیں گے لیکن حقیقی طور پر مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والے بہت ہی کم ممبر ہوں گے اور جو تھوڑی

بہت طاقت مسلمانوں کو حاصل ہے وہ بھی جاتی رہے گی جس سے مسلمانوں کے حقوق کو سخت نقصان پہنچے گا۔

دوسری تدبیر ہندوؤں نے یہ کی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ملک کو حکومت خود اختیاری ملنے والی ہے گو آہستہ ہی ملے اور چونکہ کسی قوم کو حکومت کے اختیارات اس تعداد کے مطابق ملیں گے جو اس کی ملک میں ہو اس لئے انہوں نے اپنی تعداد بڑھانے کے لئے شدھی کا طریق جاری کیا۔ حالانکہ اس سے پہلے آریوں پر ہندوؤں کی طرف سے اس بناء پر ادھرمی یا کفر کے فتوے لگائے جاتے تھے کہ وہ غیر قوموں کو اپنے اندر ملانا جائز سمجھتے ہیں۔ اسلام ہمیشہ سے تبلیغی مذہب ہے اور وہ شروع سے تبلیغ کرتا چلا آیا ہے لیکن ہندوؤں میں کم سے کم پچھلے ہزار سال میں تبلیغ کا نام و نشان نہ تھا اور یہ شدھی کی تحریک صرف اس وجہ سے جاری کی گئی ہے کہ تا ان کی تعداد اور بھی زیادہ ہو جائے اور وہ ہندوستان کے واحد مالک بن کر حکومت کریں۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ جب اس نیت سے تبلیغ کی جائے گی تو کوشش یہی ہوگی کہ دل مانیں نہ مانیں جس طرح ہو لالچ سے، دباؤ سے، تدبیر سے، ترغیب سے دوسروں کو اپنے اندر ملا لیا جائے تاکہ جلدی سے کام ہو جائے چنانچہ ایسی ہی تدابیر کو اختیار کیا گیا اور ملکانا میں یہی کیا گیا۔ رؤسا کے دباؤ سے، بنیوں کے اثر سے، قرضوں کے لالچ سے، اسلامی مظالم کی جھوٹی داستانوں سے، سوامی شردھانند جی کی جامعہ مسجد دہلی والی تقریر کی تصویر دکھا دکھا کر ہندو مذہب اختیار کرنے کا نام قومی ملاپ رکھ رکھ کر ملکانوں کو شدھ کیا گیا اور سمجھا گیا کہ اس رَو کو سب ہندوستان میں جاری کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ہندو کر لیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے اس وقت یہ توفیق ملی کہ ایک سو کے قریب مبلّغ مَیں نے وہاں بھیج دیا جنہوں نے ہر قسم کی تکلیف اُٹھا کر اور ماریں کھا کر آریہ مبلّغوں کا مقابلہ کیا۔ کئی گاؤں واپس مسلمان کئے اور باقی علاقہ کو محفوظ کر لیا۔ چنانچہ اب تک ہمارے مبلّغ وہاں کام کر رہے ہیں اور سوامی شردھانند جی کا وہ ادعاء کہ گیارہ لاکھ ملکانے چڑیا کے بچے کی طرح چونچ کھولے ہماری طرف (یعنی ہندوؤں کی طرف) دیکھ رہے ہیں کہ ہم ان کی خبر گیری کریں اب تک ایک خیالی خواب کی طرح اپنی تعبیر کا محتاج ہے۔ ہندوؤں نے لاکھ ان چونچوں میں دانے ڈالنے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ ایسی بند ہیں کہ اِکّے دُکّے کو چھوڑ کر باقی سب دانے لینے سے بھی انکاری ہیں اور کئی تو دانے دانے کھا کھا کر پھر اسلامی خشک روٹی کی طرف واپس آجاتی ہیں کہ اس کی لذت کے مقابلہ میں ہندوؤں کے دانے بھی انہیں بے مزہ معلوم دیتے ہیں۔

اسی زمانہ میں شدھی تحریک کو زور دینے کے لئے آریوں کی طرف سے نہایت گندہ لٹریچر شائع ہونا شروع ہوا۔ جس کا ایک ورق اور نہایت تاریک ورق وہ تھا جو راجپال نے اپنی کتاب میں اور پھر دیوی شرن شرمانے ورتمان میں لکھا۔ ان کتب اور تحریروں کا جو نتیجہ ہوا وہ سب کو معلوم ہے اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ ایک رنگ میں موجودہ سیاسی اصلاحات کے نتیجہ میں ہوا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصلاحات اپنی ذات میں بُری ہیں۔ یا یہ کہ انگریز حکام نے یہ فسادات اصلاحات کو روکنے کے لئے کروائے تھے۔ میرے نزدیک یہ دونوں خیال باطل ہیں۔ جن انگریزوں کا یہ خیال ہے کہ اصلاحات اپنی ذات میں بُری ہیں ان کی بھی غلطی ہے کیونکہ یہ فسادات اصلاحات کی وجہ سے نہیں بلکہ اصلاحات سے تنہا فائدہ اٹھانے کی خواہش سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح جن لوگوں نے گورنمنٹ پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے یہ فسادات کروائے ہیں تا کہ پارلیمنٹ اختیارات کو چھین لے وہ بھی غلطی خوردہ ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو فسادات کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہوتی لیکن فسادات کی ابتداء ہندوؤں کی طرف سے ہوئی ہے۔ شدھی کی تحریک (اور ایسے ناواجب طور پر) ان کی طرف سے ہوئی، گندہ لٹریچر ان کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوا۔ مگر یہ کس طرح ممکن تھا کہ ہندو جن کو سوراج مل رہا تھا اور جو تعلیم یافتہ اور اپنے فوائد کو سمجھنے والے ہیں اور پھر آریہ سماج جو ہندوؤں کی سب سے زبردست پولیٹیکل پارٹی ہے وہ گورنمنٹ کے اشارے پر یہ کام کرتی تا کہ ہندوستان کو سوراج نہ ملے۔ آریہ سماج کا پچھلی تحریک شدھی میں دخل بلکہ اس کی طرف سے ابتداء ہی اس امر کی ضامن ہے کہ ان فسادات میں گورنمنٹ کا کوئی ہاتھ نہ تھا اور وہ اس الزام سے بالکل پاک ہے۔ ان فسادات کی بنیاد اس تنگ ظرفی پر ہے جو ہندوستان کی حکومت کو صرف اور صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کی بنیاد اس ذہنیت پر ہے جو واحد خدا کے پرستاروں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیداؤں کو شودروں کی صف میں کھڑا ہوا دیکھے بغیر نچلا بیٹھنے پر تیار نہ تھی۔ ہاں مَیں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ انگریزوں میں سے وہ لوگ جو ہندوستان کو آزاد ہوتا دیکھنا پسند نہیں کرتے انہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور خوب اٹھایا مگر اصل الزام ان حالات کا صرف ہندوستانیوں پر ہے اور ان میں سے بھی ہندوؤں پر۔ اور پھر ان میں سے بھی آریہ سماج پر۔ اے کاش ایک امر موہوم کی خواہش میں ملک کی ترقی کو نقصان نہ پہنچایا جاتا۔ ملک کے امن کو برباد نہ کیا جاتا۔ دلوں کو کدورت سے اور دماغوں کو تشویش ناک افکار سے پریشان نہ کیا جاتا۔

یہ تو جو کچھ ہوا وہ ہو چکا خواہ وہ افسوسناک تھا یا عبرت ناک۔ اب سوال یہ ہے کہ آئندہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کمیشن کے فیصلہ پر بہت کچھ مسلمانوں کے حقوق کا انحصار ہے اور اس وقت غفلت برتنا سخت مہلک کیونکہ (۱) ہندو لیڈر ہر سال ولایت جاکر انگریزوں کے کان بھرتے رہے ہیں کہ ہندوستان کے سب فسادات جُداگانہ انتخاب کے نتیجہ میں ہیں اس لئے آئندہ مسلمانوں کو اپنے نمائندے الگ منتخب کرنے کا اختیار نہ ہو۔ چونکہ انگریز قوم خود اپنی قومی روایات کے لحاظ سے جداگانہ انتخاب کے مخالف ہے اس لئے ان کی اس بات کا انگریزوں پر بہت اثر ہے اس لئے گو کمیشن جداگانہ انتخاب کے اصل کو نہ مٹائے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو ایسا کمزور کر دے کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ خود بخود مٹ جائے۔ (۲) بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے لیکن ان کو حق اپنی آبادی کی نسبت سے کم ملا ہوا ہے۔ اگر یہ بے انصافی اس کمیشن کے وقت میں بھی دُور نہ کی گئی تو آئندہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت سمجھ لی جائے گی اور اس کا دور کرنا سخت مشکل ہو جائے گا۔ (۳) صوبہ سرحدی کو اگر آئینی حکومت نہ دی گئی تو اس کا اثر بھی ہندوستان کے مسلمانوں پر بہت بُرا پڑے گا۔ درحقیقت یہ ایک صوبہ کا سوال نہیں بلکہ کُل ہندوستان کے مسلمانوں کا سوال ہے کیونکہ اس وقت تک دونوں آئینی صوبے جن میں مسلمان زیادہ ہیں (یعنی پنجاب و بنگال) ان میں مسلمانوں کی زیادتی اس قدر کم ہے کہ وہ ہندوؤں کو ان دوسرے صوبوں کی زیادتی کے بدلہ میں کچھ نہیں دے سکتے جہاں مسلمان کم ہیں لیکن ان کو زیادہ حقوق دیئے گئے ہیں۔ ہاں سرحدی صوبہ میں وہ ان کو کافی بدلہ دے سکتے ہیں اور اس طرح پنجاب اور بنگال جو دوسرے صوبوں کے بدلہ میں گویا رہن ہوئے ہوئے ہیں آزاد ہو سکتے ہیں اس کے علاوہ بھی بہت سے اہم سیاسی فوائد ہیں جن کا ذکر کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ان کا ذکر ایسی تحریرات میں مناسب ہے۔ (۴) صوبہ جات کی اندرونی آزادی میں اگر کوئی خلل واقع ہو تو مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔ ان کی حفاظت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں کہ جس قدر ممکن ہو سکے صوبہ جات مرکزی حکومت سے اندرونی انتظامات میں آزاد ہوتے جائیں۔ (۵) سندھ جس میں نوے فی صدی مسلمان ہیں اگر اسے اس وقت آزادی حاصل نہ ہوئی اور بمبئی سے علیحدہ کر کے اسے الگ صوبہ نہ بنا دیا گیا تو یہ بھی مسلمانوں کے لئے عموماً اور پنجاب کے لئے خصوصاً نقصان کا موجب ہو گا۔ اس صوبہ کی علیحدگی پنجاب کے مسلمانوں کی اقتصادی آزادی میں بہت کچھ مدد دے سکتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ضمنی سوال ہیں جن کا اثر گہرے طور پر مسلمانوں کے مستقبل پر پڑ سکتا ہے۔

لیکن کہا جاتا ہے کہ اس کمیشن کے مقرر کرنے میں گورنمنٹ نے ہندوستانیوں کی ہتک کی ہے کیونکہ اس میں کسی ہندوستانی کو ممبر نہیں بنایا۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے سیاست دان جیسے مسٹر جناح اور سر عبدالرحیم کہتے ہیں کہ اس ہتک کی وجہ سے اس کمیشن کا ہمیں بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اس کمیشن سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ اور مولانا محمد علی صاحب کا خیال ہے کہ چونکہ اس میں گورنمنٹ کا ہاتھ ہے اس لئے اس سے ہمیں کچھ سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ میں سر عبدالرحیم کا تو واقف نہیں لیکن مسٹر جناح اور مولانا محمد علی سے پچھلے دنوں شملہ میں مجھے شناسائی ہو چکی ہے اور یونیٹی کانفرنس اور قانون حفاظتِ مذاہب کے متعلق گھنٹوں ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں مسٹر جناح کو ایک بہت زیرک قابل اور مخلص خادم قوم سمجھتا ہوں اور ان سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میرے نزدیک وہ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے ذاتی عروج کا اس قدر خیال نہیں جس قدر کہ قومی ترقی کا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب کو بھی مَیں نے اس سے بہت اچھا پایا جیسا کہ سنا تھا۔ وہ ایک دردمند دل رکھنے والے اور محنت سے کام کرنے والے انسان ہیں اور جن مخالف حالات میں وہ کام کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کا انہیں مستحق بناتا ہے کہ مسلمان ان کی قدر کریں اور ان کی رائے کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ مجھے ان سے کئی باتوں میں اختلاف رہا ہے لیکن مَیں ہمیشہ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہوں۔ پہلے ان کے بڑے بھائی مولوی ذوالفقار علی خان صاحب کی وجہ سے جو ہماری جماعت میں شامل ہیں۔ اور اب خود ان کی اپنی ذات کی وجہ سے۔ سر عبدالرحیم صاحب کو گو میں نے دیکھا نہیں لیکن ان کی رائے کو اخبارات میں پڑھ کر مَیں ہمیشہ انہیں ایک سمجھدار اور لائق انسان سمجھتا رہا ہوں۔ ان لوگوں کے مقابلہ پر جو لوگ ہیں میرے نزدیک وہ سوائے چند کے اس پایہ کے نہیں ہیں جس پایہ کے یہ لوگ ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ مَیں مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال مسلمانوں کی اس رائے سے سخت اختلاف رکھتا ہوں اور مَیں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی رائے پر دوبارہ غور کریں۔ اس وقت کمیشن کے بائیکاٹ کا فیصلہ کرنا مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہوگا۔ اس بائیکاٹ کا جس قوم کو فائدہ پہنچے گا وہ ہندو قوم ہے۔ یا گورنمنٹ کا وہ حصہ جو ہندوستانیوں کو حقوق دیئے جانے کے مخالف ہے۔ مسلمان بائیکاٹ سے سخت گھاٹے میں رہیں گے اور بعد میں پچھتانے میں کوئی نفع نہ ہو گا۔ مَیں ان لوگوں کی رائے کو سخت حقارت سے دیکھتا ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ مسٹر جناح یا سر عبدالرحیم اس لئے کمیشن کے بائیکاٹ کی تائید میں ہیں کہ انہیں کمیشن کا ممبر ہونے کی امید تھی جو پوری نہیں ہوئی۔ میاں سر فضل

حسین اور سر عبدالرحیم کا نام شائع کرنے کی ذمہ داری تو میری جماعت پر ہے کیونکہ ہمارے مبلغین نے ہی ان کے نام اس غرض سے انگلستان کی اخبارات میں شائع کئے تھے لیکن مسٹر جناح کا نام کبھی اس غرض کے لئے نہیں لیا گیا اور میں ان کی واقفیت کے بعد کہہ سکتا ہوں کہ ان پر ایسا الزام لگانا ظلم ہے۔ ان کی رائے یقیناً دیانتداری پر مبنی ہے لیکن افسوس کہ غلط ہے اور میرے نزدیک مسلمانوں کے لئے سخت مُضِر۔

یہ خیال بالکل درست ہے کہ برطانوی حکومت نے ہندوستانیوں کی ہتک کرنے کے لئے ہندوستان کا نام کمیشن میں نہیں رکھا۔ حکومت ہند کے ارکان کا نام بھی کمیشن میں نہیں ہے بلکہ کمیشن صرف پارلیمنٹ کے ممبروں پر مشتمل ہے۔ پس کیا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حکومت برطانیہ نے ارکان حکومت کا نام بھی ان کی ہتک کرنے کے لئے نہیں رکھا۔ پس یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ برطانوی حکومت نے اس لئے کہ ہندوستانیوں کو کمیشن کا ممبر نہ بنانا پڑے صرف پارلیمنٹ کے ممبروں کا کمیشن بھیجا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے ہندوستانیوں کی ہتک کی ہے ہم اپنے متعلق خواہ کچھ کہیں مگر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دانستہ یا نادانستہ ہم انگریزی حکومت کے ماتحت کم و بیش دو سو سال سے آچکے ہیں اور جو ہماری ہتک ہونی تھی وہ ہو چکی ہے۔ اب حکومت کے پہلو سے اس سے زیادہ ہتک ہماری کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر برطانوی حکومت سیاسی طور پر ہماری ہتک کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتی۔ وہ شخصی ہتک کر سکتی ہے، مذہبی ہتک کر سکتی ہے، تمدنی ہتک کر سکتی ہے لیکن یہ اس کے بس میں بھی نہیں کہ سیاستاً وہ ہماری ہتک کرے کیونکہ ہم ایک بڑے لمبے عرصہ سے نہتے ہو کر اس کے قبضہ میں جا چکے ہیں اور اس بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یا تو ہم میں ہمت ہو تو ہم انگریزوں کو جبراً ملک سے باہر نکال دیں اور یا پھر اس صداقت کو قبول کریں کہ انگریز ہم پر حاکم ہیں۔ اور جب ہم جبراً انہیں نہیں نکال سکتے تو پھر ہم ان سے سمجھوتہ کر کے ہی جو کچھ حاصل کر سکتے ہیں کر سکتے ہیں۔ پس جب فیصلہ انہیں کے ہاتھ میں ہے اور اس کا کسی کو انکار نہیں تو پھر ہندوستانیوں کا کمیشن میں ہونا نہ ہونا عزت و ہتک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

مَیں کمیشن کے بائیکاٹ کرنے کا مشورہ دینے والوں کی دلیل کے سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں۔ آخر اس بائیکاٹ سے ان کا کیا مطلب ہے۔ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ بائیکاٹ کی وجہ سے کمیشن اپنا کام نہیں کر سکے گا؟ اگر یہ خیال ہے تو اس سے بودا خیال اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کمیشن نے تو یہ رپورٹ کرنی ہے کہ آیا ہندوستانیوں کو اور اختیارات ملنے چاہئیں یا نہیں۔ اگر ہندوستانی بائیکاٹ

کریں گے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ برطانیہ کی نیت اگر خراب ہے تو وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا اور کہے گا کہ ہندوستانی چونکہ اپنی ضروریات کو ہمارے سامنے پیش نہیں کرتے اس لئے ہم ہندوستانیوں کو زیادہ اختیارات دینے کی سفارش نہیں کرتے۔ پھر ہندوستان کیا کرے گا۔ کیا تلوار سے اپنا بدلہ لے گا۔ اگر ہندوستانیوں کے پاس تلوار ہوتی تو وہ پہلے ہی اس حالت کو کیوں پہنچتے۔

اگر ہم ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ہندوستانیوں کو برطانوی حکومت نے کمیشن میں اس لئے شامل نہیں کیا کہ وہ اس امر کی مدعی ہے کہ ہم ہندوستان کے حاکم ہیں اور اس کی آئندہ حکومت کا فیصلہ کرنا ہمارے اختیار میں ہے اور ہندوستانی بے بس ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر یہی وجہ ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ آزادی کے حاصل کرنے کے لئے کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کریں۔ اور جبکہ تلوار سے ہم اختیارات حاصل نہیں کر سکتے تو پھر کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ سمجھوتہ سے ہی جس قدر اختیارات مل سکیں حاصل کر لیں۔ کیونکہ جس قدر اختیارات بھی ہندوستانیوں کو ملیں گے ان سے ان کی طاقت زیادہ بڑھے گی اور جس قدر بھی طاقت انہیں حاصل ہوگی اُسی قدر ان کی آواز میں اثر اور زور ہوگا۔ پس اختیارات خواہ کمیشن کے ذریعہ سے ملیں خواہ بغیر کمیشن کے، خواہ ہندوستانیوں سے پوچھ کر ملیں یا بغیر پوچھے کے، ہمیں انہیں حقیر نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ ہر اختیار جو ہندوستانیوں کو ملے گا وہ ان کی طاقت کو بڑھائے گا اور انہیں آزادی کے قریب کر دے گا۔ پس کمیشن کے بائیکاٹ کا سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں کو جو ہندوستان کی آزادی کے مخالف ہیں یہ موقع دے دیا جاوے کہ وہ ہندوستان کی آزادی میں روڑے اٹکائیں۔ اور ہر شخص جو کمیشن کا بائیکاٹ کرے گا وہ نادانستہ طور پر ہندوستان کی آزادی میں روک ڈالنے والا بنے گا۔

میرے نزدیک اس مسئلہ کا ایک اخلاقی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ ایسے امور میں ہتک کام کرنے والے کے دعویٰ سے ہوتی ہے نہ کہ فعل سے۔ بعض فعل اپنی ذات میں ہتک کرنے والے نہیں ہوتے لیکن اگر ان کے کرنے والے ان سے ہتک مراد لیں تو وہ ہتک بنتے ہیں ورنہ نہیں۔ کمیشن کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اگر برطانیہ کہے کہ ہم یہ امر اپنا زور دکھانے اور ہندوستانیوں کو ذلیل کرنے کے لئے کرتے ہیں تو بے شک یہ فعل ہتک بن جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ خود اس فعل میں کوئی ایسا پہلو نہیں جو اپنی ذات میں اسے ہتک کا فعل بنا دے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ برطانوی حکومت بہ اصرار کہہ رہی ہے کہ ہماری نیت ہتک کی بالکل نہیں بلکہ ہماری نیت یہ ہے کہ (۱) چونکہ فیصلہ اس

امر کا کرنا ہے کہ آئندہ آئین حکومت میں کیا تبدیلی ہو اور اس کے لئے ایسے آدمیوں کی ضرورت تھی جو غیر جانبدار ہوں اس لئے ہم نے نہ ہندوستان کی حکومت کے ارکان میں سے کسی کو چُنا ہے اور نہ ہندوستانیوں میں سے بلکہ صرف پارلیمنٹ کے ممبروں کو چُنا ہے جن کو ہندوستان کے آئین حکومت سے کوئی بالواسطہ لگاؤ نہیں ہے۔ (۲) دوسرے وہ یہ کہتی ہے کہ کمیشن تبھی مفید ہو سکتا ہے کہ وہ تھوڑے سے آدمیوں پر مشتمل ہو لیکن ہندوستان میں اس قدر سیاسی اختلاف ہے اور اس قدر مختلف پارٹیاں اور قومیں پائی جاتی ہیں کہ اگر سب خیال کے لوگوں اور سب فرقوں کے نمائندے نہ لئے جاتے تو شور پڑ جاتا تھا اور اگر سب کے نمائندے لئے جاتے تو کمیشن کے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی۔ آخری بات بہت وزن دار ہے۔ اور اگر ہم لوگ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو سیاسی امور میں اس وقت ایسا اصولی اختلاف ہو رہا ہے کہ کوئی ہندوستانی سارے ملک کی تسلی کا موجب نہیں ہو سکتا تھا۔ مسلمان، ہندو، اینگلو انڈینز، سکھ، ادنیٰ اقوام اور پھر ان مختلف قوموں کے اندرونی فرقہ جات، پھر دوسری جہت سے مثلاً تجارت پیشہ، زراعت پیشہ اور پھر سیاسی نکتہ نگاہ سے ملک کی مختلف پارٹیاں وغیرہ وغیرہ اس قدر مختلف جماعتیں ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی ایک یا دو ہندوستانی کا انتخاب ہرگز ملک کی تسلی کا باعث نہ ہوتا۔ بلکہ اس سے ہندوستانیوں کی بے چینی شاید اور بھی زیادہ ہو جاتی اور ایک نئی خانہ جنگی کا آغاز ہو جاتا۔ مسلمانوں کے اندر طریق انتخاب کے سوال کو ہی دیکھ لو۔ بعض لوگ مخلوط انتخاب کے حامی ہیں جیسے مسٹر جناح اور مولانا محمد علی۔ دوسرے جُداگانہ انتخاب کے جیسے کہ سر شفیع اور سر عبدالرحیم۔ اب اگر مسلمانوں میں سے کسی ایسے شخص کو ممبر منتخب کر لیا جاتا جو مخلوط انتخاب کا حامی ہوتا تو یقیناً اس کا معتدبہ اثر اس کے ساتھ کے کمشنروں پر پڑتا اور جُداگانہ انتخاب کے حامیوں کے نزدیک مسلمان ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیئے جاتے۔ غرض کوئی ہندوستانی بھی تسلی کا موجب نہیں ہو سکتا تھا۔ اندریں حالات برطانوی حکومت نے صرف پارلیمنٹ کے ممبروں کا انتخاب مناسب سمجھا۔ اب خواہ نیت برطانیہ کی کچھ ہو مگر چونکہ برطانیہ اپنے فیصلہ کی یہ دلیل پیش کرتا ہے اور یہ دلیل معقول ہے۔ پس خواہ مخواہ ہتک کا پہلو نکالنا اخلاقی لحاظ سے درست نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ کہ میرے نزدیک کمیشن کی مجوزہ ساخت میں ہندوستانیوں کی کوئی ہتک نہیں اور اگر ہتک کا کوئی خیال ہو سکتا تھا تو وزرائے برطانیہ کے متواتر انکار نے اس احتمال کو باطل کر دیا ہے۔ کمیشن کا بائیکاٹ کرنے سے ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کو آئندہ اختیارات یا تو بالکل ہی نہ ملیں یا کم

ملیں۔ پس بائیکاٹ سے ہندوستان کی آزادی میں دیر لگے گی فائدہ نہ ہو گا۔

مذکورہ بالا نقطہ نگاہ تو عام ہندوستانی کا نقطۂ نگاہ ہے۔ لیکن ایک خالص اسلامی نقطۂ نگاہ ہے جسے اِس وقت تک بحث میں نظر انداز کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ بائیکاٹ کا اثر زیادہ تر مسلمانوں پر پڑے گا اور ہندوؤں پر بہت ہی کم پڑے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے ریفارم سکیم منظور ہوئی ہے ہندو اس امر کو سمجھ چکے ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل انگریز قوم سے تعلق رکھتا ہے اور ان کے لیڈر برابر آٹھ سال سے گرمیوں میں انگلستان جاتے ہیں اور بڑے بڑے انگریزوں سے ہندوؤں کے فائدہ کی باتیں کر کر کے انہیں اپنا ہم خیال بنا چکے ہیں۔ اسی طرح وہ کوشش کر کے پارلیمنٹ کے ممبروں کو ہندوستان لاتے ہیں اور ہندوؤں کے گھر مہمان ٹھہراتے ہیں۔ اور ہر وقت ان کے کان ان باتوں سے بھرتے ہیں جو ہندوؤں کے حق میں مفید ہوں اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ۔ مگر مسلمانوں کے پاس نہ دولت ہے اور نہ ان کے اندر قربانی کا مادہ۔ چنانچہ وہ اس آٹھ سال کے عرصہ میں بالکل سوتے رہے ہیں اور صرف اس سال عزیزم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب احمدی بیرسٹر لاہور ممبر پنجاب کونسل اور ڈاکٹر شفاعت احمد صاحب بیرسٹر ممبر یو۔ پی کونسل اس غرض سے ولایت گئے تھے اور انہیں کئی بڑے بڑے آدمیوں نے کہا کہ ہمیں تو آج ہی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی جداگانہ حفاظت کی ضرورت ہے ورنہ ہم تو یہ خیال کرتے تھے کہ ہندو لیڈر جو باتیں کہتے رہے ہیں مسلمان ان سے متفق ہیں ورنہ مسلمان کیوں نہ آکر ہم سے اپنے حقوق کے متعلق بات کرتے لیکن دو آدمیوں کی سہ ماہی کوششیں آٹھ سال کے درجنوں آدمیوں کی کوششوں کا مقابلہ کب کر سکتی ہیں۔ ہندو لیڈروں میں سے اکثر انگلستان کے بااثر لیڈروں کے ذاتی دوست ہیں۔ جبکہ مسلمانوں میں سے بہت ہی کم لوگ انگریز لیڈروں کے روشناسا ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ انگریز ہندوستان کے مطالبات وہی سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور مسلمان اس امر کو یاد رکھیں کہ اگر کمیشن کا بائیکاٹ ہوا تو کمیشن جو رپورٹ کرے گا وہ اپنے پہلے علم کی بناء پر کرے گا اور وہ الف سے لے کر "ی" تک ہندو لیڈروں کا دیا ہوا ہے۔ اس کی رپورٹ ایک ایک نقطہ میں مسلمانوں کے فوائد کے خلاف ہو گی اور گویا مہاسبھا کی لکھوائی ہوئی ہو گی۔ ہندو لیڈر جانتے ہیں کہ کمیشن کے بائیکاٹ میں ان کا کوئی نقصان نہیں۔ وہ جو کچھ اپنے متعلق کہنا تھا آٹھ سال سے انگریز ممبران پارلیمنٹ کو رٹاتے چلے آئے ہیں۔ اگر نقصان ہے تو مسلمانوں کا جن کے مطالبات اور جن کے حقوق سے پارلیمنٹ کے ممبر قریباً بالکل ناواقف ہیں۔ پس بائیکاٹ ہندوؤں کا

کوئی نقصان نہیں کرے گا لیکن مسلمان اس کے نتیجہ میں سیاسی ترقی کی شاہراہ سے اس قدر دور چلے جائیں گے کہ پھر ان کے لئے سنبھلنا اور واپس آنا سخت مشکل ہو جائے گا۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو سر سائمن جو کمیشن کے پریذیڈنٹ مقرر ہوئے ہیں ایک مقدمہ میں جس کی پنڈت موتی لال نہرو ولایت میں پیروی کر رہے ہیں بیرسٹر ہیں۔ اور کئی ماہ سے ان کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ بھلا کون خیال کر سکتا ہے کہ اس طرح مل کر کام کرتے ہوئے ان کے درمیان سیاسیات ہند کے متعلق تبادلۂ خیال نہ ہوتا ہو گا۔ اور جبکہ پنڈت جی اپنے خیالات انہیں پہلے ہی بتا چکے ہوں تو انہیں دوبارہ کمیشن کے سامنے جا کر انہی خیالات کو دُہرانے کی چنداں پرواہ نہیں ہو سکتی۔ اگر کمیشن کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے کی ضرورت ہے تو غریب مسلمانوں کو جن کے لیڈروں کو یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ پچھلے آٹھ سالوں میں ہندوؤں کی طرح ولایت جا جا کر انگریزوں کو مسلمانوں کے حقوق سے آگاہ کرتے رہتے۔ پس اگر اب کمیشن کے آنے پر ہندوؤں کے ساتھ مسلمان بھی بائیکاٹ میں شامل ہو گئے تو نقصان مسلمانوں کا ہی ہو گا اور ذمہ داری بھی صرف انہی پر عائد ہو گی کہ دیکھتے بھالتے کنوئیں میں گر گئے۔ ہندوؤں کے بائیکاٹ کی تحریک ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص کھانا کھا کر آئے اور اس شخص کو جس نے ابھی کھانا نہیں کھایا ہے کہے کہ چلو آج کھانا کیا کھانا ہے فاقہ ہی رہے۔ وہ تو کھانا کھا چکا ہے۔ اس کا اس فقرہ کے کہہ دینے سے کوئی نقصان نہیں۔ نقصان اس کا ہے جس نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ بائیکاٹ کی تحریک کرنے والوں سے کہیں کہ ہمیں بھی اس حد تک انگریزوں کے کان بھر لینے دو جس قدر کہ آپ نے بھرے ہیں۔ اس کے بعد ہم بھی آپ کے ساتھ بائیکاٹ میں آکر شریک ہو جائیں گے۔☆

مسلمانوں کو یہ بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس بائیکاٹ کا نتیجہ کیا بتایا جاتا ہے۔ اگر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کچھ بھی حاصل نہ ہو گا تو ایسا بائیکاٹ کوئی عقلمند کب کرے گا۔ اور اگر اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ انگریز ڈر کر ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دے دیں گے تو مسلمان سوچ لیں کہ وہ حکومت جو مسلمانوں کے فوائد کی حفاظت کا سامان ہوئے بغیر ملے گی اس میں مسلمانوں کا ٹھکانا کہاں ہو گا۔ اگر بغیر کسی سمجھوتہ کے سوَراج مسلمانوں کے لئے مفید ہوتا تو اس قدر اختلاف ہندوؤں سے کیوں کیا

☆ میں اس حد تک اس مضمون کو لکھ چکا تھا کہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ ٹائمز آف لنڈن نے بھی اس دلیل کو پیش کر کے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ اس وقت ان کا کمیشن کو بائیکاٹ کرنا ان کے لئے مُضِر ہے ان کے نقطۂ نگاہ سے انگریز ناواقف ہیں۔

جاتا۔ پھر اس سوراج کے لئے ہندو اس قدر شور ہی کیوں کرتے۔ پس جس چیز کی آج سے ایک ماہ پہلے تمام مسلمانان ہند مخالفت کر رہے تھے اسے صرف اسی وجہ سے کہ کمیشن میں ہندوستانی ممبر کیوں نہیں ہیں کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے۔ کیا ہندوستانی ممبروں کا شامل ہونا اس قدر اہم سوال ہے کہ اس کے لئے مسلمانوں کو اَبدُ الآ باد تک کے لئے غلام بنا دینا جائز اور درست ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اس فعل کو بُرا بھی سمجھتے ہیں انہیں بھی یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ ہندوستانیوں کا ممبر نہ ہونا ایک ادنیٰ سوال ہے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ایک اہم تر سوال ہے۔ اور ادنیٰ چیز پر اعلیٰ کو قربان کر دینا انتہائی درجہ کی نادانی ہے۔

مندرجہ بالا حالات میں مسلمانوں کا اہم فرض ہے کہ تمام خیالات کو ترک کر کے وہ اس موقع کے لئے تیار ہو جائیں اور اپنے حقوق کو بالوضاحت کمیشن کے سامنے پیش کریں۔ میرے نزدیک یہ مسائل ہیں جن کے متعلق مسلمانوں کو تیار ہو جانا چاہئے۔

اول قلیل التعداد جماعت کے حقوق کی حفاظت:۔ اس کے متعلق پورے طور پر اپنے مطالبات اور دلائل کا ذخیرہ جمع کر لینا چاہئے۔ یورپ میں چونکہ پارٹیوں کی طاقت بدلتی رہتی ہے اس لئے انگریزوں کے نزدیک قلیل التعداد کی حفاظت کا سوال چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جو آج کم ہیں کیوں وہ زیادہ ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ حالانکہ وہاں پارٹیوں کی بنیاد سیاسی خیالات پر ہے جو بدلتے رہتے ہیں اور یہاں مذہب پر جو بہت کم بدلتا ہے اور اس وجہ سے جو کثیر التعداد ہیں وہ بظاہر حالات ہمیشہ کثیر التعداد رہیں گے جب تک تبلیغ سے ان کو اپنا ہم مذہب نہ بنا لیا جائے اور قلیل التعداد جماعت ہمیشہ گھاٹے میں رہے گی۔ پس انگلستان اور ہندوستان کے فرق کو سمجھا کر کمیشن کے پرانے تعصب کو جسے ہندو بیانات نے اور بھی بڑھا دیا ہے دور کرنا ہے۔

دوسرے ادنیٰ اقوام کے حقوق کا سوال:۔ گو یہ سوال اسلامی نہیں لیکن مسلمانوں کو ادنیٰ اقوام کی مدد کرنی چاہئے کیونکہ اس وقت تک ہندوؤں کو مسلمانوں پر غلبہ ادنیٰ اقوام کی وجہ سے ہے۔ ہندو لوگ چوہڑوں وغیرہ کو حق تو کوئی نہیں دیتے لیکن انہیں ہندو قرار دے کر ان کے بدلہ میں خود سیاسی حقوق لے لیتے ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں ابھاریں ان کی تنظیم میں مدد دیں اور کمیشن کے سامنے ان کے معاملہ کو پیش کرنے میں اعانت کریں۔

تیسرے جُداگانہ انتخاب:۔ یہ مستقل طور پر کوئی حق نہیں لیکن ہندوستان کے مخصوص حالات میں اس کی سخت ضرورت ہے اور اس کے بغیر کبھی بھی مسلمان ترقی نہیں کر سکیں گے۔ پس

اس امر پر زور ہونا چاہئے کہ اس حق کو ہندوستان کے اساسی قانون میں داخل کیا جائے اور جب تک مسلمان قوم بہ حیثیت قوم راضی نہ ہو اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جاسکے۔

چوتھے پنجاب اور بنگال اور جو آئندہ صوبے بنیں جن میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو ان میں مسلمانوں کو اس قدر حقوق دیئے جائیں کہ ان کی کثیر التعداد قلیل التعداد نہ ہو جائے اس وقت بنگال کے چھپن فی صدی مسلمانوں کو چالیس فی صدی حق ملا ہوا ہے اور پنجاب کے پچپن فی صدی کو قریباً پینتالیس فی صدی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان کسی صوبہ کو بھی اپنا نہیں کہہ سکتے اور آزاد ترقی کے لئے ان کے لئے کوئی بھی راستہ نہیں کھلا۔

پانچویں صوبہ سرحدی میں اصلاحیٔ طریق حکومت کے لئے کوشش ہونی چاہئے اور سندھ کے متعلق یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ بمبئی سے الگ کیا جا کر ایک مستقل صوبہ قرار دیا جائے۔

چھٹے کامل مذہبی آزادی:۔ اس امر کو اساسی قانون میں داخل کرنا چاہئے کہ کوئی دوسری قوم آزادی کے کسی مرتبہ پر بھی کسی ایسے امر کو جو کسی دوسری قوم کی مذہبی آزادی سے تعلق رکھتا ہو محدود نہیں کر سکے گی۔ خواہ براہ راست مذہبی اصلاح کے نام سے خواہ تمدنی اور اقتصادی اصلاح کے نام سے بلکہ ہر قوم کی اقتصادی اور تمدنی اصلاح خود اس کے منتخب شدہ ممبروں کے اختیار میں رہنی چاہئے۔

ساتویں تبلیغ ہر وقت اور ہر زمانہ میں قیود سے آزاد رہے گی۔ اور اسے کسی رنگ میں روکا نہیں جائے گا۔ مثلاً یہ شرط لگا کر کہ مجسٹریٹ کی اجازت سے کوئی شخص مذہب بدل سکتا ہے۔ وَ غَیْرَ ذَالِکَ۔ اس قسم کی قیود سے پہلے مختلف ملکوں میں تبلیغ کو روکا گیا ہے اور خطرہ ہے کہ ہندوستان میں بھی ہندو لوگ ایسا ہی کریں۔

آٹھویں زبان کا سوال یعنی زبان کو کبھی قانوناً نہیں بدلا جائے گا۔ مسلمانوں کو اردو زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی پوری اجازت ہو گی۔ اور جن صوبوں میں اردو رائج ہے ان میں اردو زبان بطور قانونی زبان ہمیشہ کے لئے قائم رہے گی۔ زبان کا سوال کسی قوم کی ترقی کے لئے اہم سوال ہوتا ہے پس اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ یورپ میں بعض سخت جان قوموں کو ان کی زبانیں بدل کر ہی بند کیا گیا ہے۔ پس کچھ تعجب نہیں کہ کسی دن ہندوؤں کی طرف سے بھی ایسی ہی کوشش ہو۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں لیکن یہ اہم امور ہیں جن کو نظر انداز نہیں کرنا

چاہئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان امور کو کمیشن تک بصورت احسن پہنچادیا جائے اس کے لئے میری طرف سے یہ تجویز ہے کہ ہر شہر اور قصبہ میں ایک اسلامی مقامی انجمن بنائی جائے جو کسی خاص خیال کی پابند نہ ہو۔ اس کی غرض صرف یہ ہو کہ تمام تجاویز جو مختلف لوگوں یا انجمنوں کی طرف سے شائع ہوں وہ ان پر غور کرے اور سب تجاویز پر غور کر کے اپنی ایک رائے قائم کرے۔ اس کے بعد جس جس جماعت سے اس کا خیال ملتا ہو ریزولیوشن کے ذریعہ سے اسے اطلاع دے کہ فلاں فلاں شہر کے مسلمانوں کی کثرت اس خیال میں آپ سے متفق ہے۔ قلیل التعداد خیال کی رائے کو بھی شائع کیا جائے۔ اس طرح ایک بہت بڑا فائدہ ہوگا اور وہ یہ کہ ہر ایک رائے پر آزادانہ غور ہو سکے گا اور کسی خاص پارٹی کے اچھے یا بُرے خیالات کا پابند نہ ہونا پڑے گا اور مسلمانوں کی صحیح رائے کمیشن تک پہنچ جائے گی۔ مَیں اس کی مثال یوں دیتا ہوں کہ فرض کرو کہ مختلف بحثوں کے بعد دس اہم امور کے متعلق فیصلہ ہوا کہ ان کو ضرور پیش کرنا چاہئے۔ ایک شہر کے لوگوں کو ان میں سے آٹھ میں مسلم لیگ سے اتفاق ہے اور دو میں مثلاً کانگریس میں مسلمانوں سے۔ اب بجائے اس کے کہ دونوں یہ کہتے پھریں کہ ہم سب مسلمانوں کے نمائندے ہیں۔ یا یہ کہ اس شہر کے لوگ اس پارٹی کی تائید کر دیں جس سے آٹھ امور میں ان کو اتفاق ہے۔ یہ ہونا چاہئے کہ اس شہر کے لوگ اپنا اجلاس کر کے اور غور کر کے اس کمیٹی کو جس کے ساتھ ان کو آٹھ امور میں اتفاق ہے اپنی طرف سے اختیار لکھ دیں کہ ان ان آٹھ امور میں ہم آپ سے متفق ہیں۔ آپ یہ پیش کر سکتے ہیں کہ اس جگہ کے مسلمان ان امور میں ہم سے متفق ہیں اور دوسرے دو امور میں دوسری کمیٹی کو لکھ دیں کہ آپ کو اختیار ہے کہ آپ یہ پیش کر دیں کہ ان دو امور میں ہمیں آپ سے اتفاق ہے۔ یا فرض کرو کہ تین سیاسی جماعتیں یا چار یا پانچ ہوں اور سب سے ایک ایک دو دو امور میں اتفاق ہو تو سب کو لکھ دیں کہ فلاں فلاں امر میں ہمیں آپ سے اتفاق ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ کسی ایک امر میں بھی کثرت رائے کو اپنی رائے قربان نہیں کرنی پڑے گی۔ ہر امر میں مسلمانوں کی حقیقی کثرت رائے کمیشن تک پہنچ جائے گی اور اس سے مسلمانوں کے مطالبات کو اس قدر تقویت حاصل ہوگی جو کسی دوسری صورت میں نہیں ہو سکتی۔ اب ایک ہی سیاسی جماعت سے تعلق رکھنے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض اچھے امور کی خاطر بعض بُرے امور کو بھی قبول کرنا پڑتا ہے حالانکہ سیاسیات میں آپس میں اختلاف بالکل ممکن ہوتا ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر ہر قصبہ اور ہر شہر میں ایسی انجمنیں ابھی سے بن جائیں اور وہ ماہوار یا

پندرہ روزہ اجلاس کر کے اس میں مختلف تجاویز پر غور کر کے اپنی رائے قائم کرتی رہیں اور کمیشن کے آنے پر ہر شہر کے لوگ امور متنازعہ پر بحث کر کے ہر مسئلہ کے متعلق اپنی رائے قائم کر کے اسے شائع بھی کرا دیں اور جس مسئلہ میں جس ایسی جماعت سے اتفاق ہو جس کا وفد کمیشن کے سامنے پیش ہوتا ہے اسے اطلاع دے دیں کہ اس بارہ میں آپ ہمارے قائم مقام ہیں تو اس سے مسلمانان ہند کو ایک غیر معمولی سیاسی طاقت حاصل ہو جائے گی۔ ایسے فیصلوں کی ان ممبروں کو بھی اطلاع دینی چاہئے جو ان کی طرف سے کونسل یا اسمبلی میں ہوں تا کہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے منتخب کرنے والوں کی کیا رائے ہے اور وہ اس کے خلاف رائے نہ دیں کیونکہ ممبروں کی رائے ذاتی نہیں سمجھی جاتی بلکہ ان کے منتخب کرنے والوں کی رائے سمجھی جاتی ہے۔

ہاں یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ مختلف خیال والوں کی الگ کمیٹیاں نہ بنائی جائیں بلکہ مختلف خیال کے مسلمان ایک ہی جگہ جمع ہو کر مشورہ کیا کریں اور جو قلیل التعداد لوگ ہوں ان کو بھی اختیار ہو کہ وہ اپنی طرف سے کسی دوسری انجمن کو حق نیابت دے دیں مگر یہ لکھ دیں کہ وہ قلیل التعداد ہیں۔ اس طرح کے متفقہ غور میں علاوہ ایک مفید فیصلہ تک پہنچنے میں سہولت ہونے کے اور بہت سے قومی فائدے بھی حاصل ہوں گے۔ جن کے لکھنے کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ تجویز جس قدر عالی شان فوائد اپنے اندر رکھتی ہے مَیں اس پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتا۔ لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ تمام تعلیم یافتہ مسلمان اس کے عظیم الشان فوائد اور بے نظیر نتائج کو خود ہی محسوس کریں گے۔

آخر میں مَیں تمام مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر قوم کی حالت اس کی اپنی کوششوں سے بدلتی ہے۔ جو قوم یہ چاہتی ہے کہ دوسرے لوگ ہماری حالت کو بدلیں اور ہمیں ابھاریں وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ کمیشن کا موقع بے شک ایک اچھا موقع ہے اور اس سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا بھر کی کمیشنیں ہمیں فائدہ نہیں پہنچا سکتیں جب تک ہم پختہ ارادہ اور عقد ہمت کے ساتھ اپنی اصلاح کے لئے خود آپ کھڑے نہ ہو جائیں۔ قانون ہمیں کبھی آزاد نہیں کر سکتا جب تک کہ اقتصادی طور پر اور تمدنی طور پر بھی ہم آزاد نہ ہوں۔ مَیں نے پچھلے دنوں تحریک کی تھی کہ مسلمان اپنی اقتصادی آزادی کے لئے کوشش کریں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس تجویز سے ہزاروں جگہوں پر مسلمانوں کی دکانیں کھلیں اور لاکھوں روپیہ مسلمانوں نے کمایا لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ پھر اِس بات میں سستی ہو رہی ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان جب اُٹھتے ہیں جوش سے

اُٹھتے ہیں مگر پھر جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ جب تک مستقل کوشش جاری نہ رہے گی اس وقت تک کامیابی نہ ہوگی۔ مَیں اپنے بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں میں غور کریں کہ جن لوگوں سے انہوں نے دکانیں کھلوائی تھیں ان کا ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کرا کے اب جو وہ ان کی مدد سے دریغ کر رہے ہیں اور ان کی دُکانوں کو چھوڑ کر دوسری دُکانوں پر جا رہے ہیں اس کا اثر قوم کے اخلاق پر کیا پڑے گا اور آئندہ نسلیں اس سے کیا سبق حاصل کریں گی۔ پس اگر حریت چاہتے ہو، اگر آزاد زندگی کی تڑپ رکھتے ہو، اگر پھر ایک دفعہ دنیا میں عزت کی سانس لینا چاہتے ہو، تو خدارا ان سستیوں اور بے استقلالیوں کو چھوڑ دو۔ تعاون باہمی کی عادت ڈالو اور نقصان اٹھا کر بھی اپنے بھائی کا فائدہ کرو۔ تب اور صرف تب آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ سائمن کمیشن نہیں بلکہ خود آپ کی اَن تھک کوششیں اور بے نفس قربانیاں آپ کو کامیابی کے مقام پر کھڑا کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ قادیان

۸۔۱۲۔۱۹۲۷ء

(الفضل ۱۶ دسمبر ۱۹۲۷ء)